نائلہ طارق

افسانہ

دو غریب راہ سفر ہوئے

گہری نیند سے وہ یکدم ہی بیدار ہوا تھا اور اس کا سبب جاننے کیلئے خوابناک مدھم روشنی میں بھیگے ارد گرد کے ماحول پر نظریں دوڑائی تھیں' کمرے کی گرم فضا میں اتنی ہی خاموشی اور سکون تھا جب وہ اپنے تھکے ہوئے وجود کے ساتھ نرم کمبل میں سمایا تھا' اب بھی سب کچھ ویسا ہی تھا مگر کچھ تبدیلی تھی جو اس کے اندر ہی کہیں بے خبری میں ہو چکی تھی جسے محسوس کرتے ہوئے بھی وہ اسے سمجھ نہیں سکتا تھا تھکن کے باعث کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ نیند ٹوٹ جائے حالانکہ آج کا دن نسبتاً اس سے زیادہ مصروف گزرا تھا' آج صبح ہی صبح وہ ہوٹل سے نکل کر اپنے گائیڈ کے ہمراہ نشیبی علاقے کی سمت چلا گیا تھا' جہاں پہاڑوں کے دامن میں موجود اس جنت نظیر وادی نے دشوار گزار راستوں کی ساری تھکن بھلا دی تھی' وادی کے مہمان نواز لوگوں کے درمیان رہ کر وہ انہیں اور ان کے رہن سہن کو جاننے کی کوشش کرتا رہا تھا وہ اپنی خوش مزاجی اور انکساری کی وجہ سے وہ جلد ہی ان اجنبی باشندوں میں گھل مل گیا تھا' سرخ سیب جیسے چہروں والے بچے اس کے کندھے سے لٹکے کیمرے کو دیکھتے ہوئے ا کے گرد جمع ہو گئے تھے' اس نے اپنے کیمرے ان کی کئی تصویریں قید کر لی تھیں گائیڈ کی تقلید وادی کے قدیم مقدس مقامات کی زیارت ا ان کے بارے میں معلومات جمع کرتے ہو دن کب گزر گیا پتا ہی نہیں چل سکا تھا' وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی یہاں آ سکے گا یا نہیں کسی ایک جگہ رکنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا' سفر کے بغیر اس کی زندگی نامکمل تھی' رات گئے واپس اپنی قیام گاہ کی جانب لوٹتے ہوئے اس کے پاس محبت اور خلوص کی ڈھیروں سوغاتیں تھیں' ہوٹل کی لابی میں گرم کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے اپنی ڈائری میں گزرے دن کے تمام حالات واقعات قلم بند کئے تھے اور پھر اپنے روم میں آ گیا تھا' کل صبح اسے اس جنت کے خطے سے نکل کر کسی اور حیرت کدے کی سمت روانہ ہو جانا تھا۔

یہ سفر کب تک اور کہاں تک جاری رہنا تھا اس بارے میں ابھی کچھ سوچا نہیں تھا' صبح سات بجے اس کے گائیڈ نے آنا تھا' اس لئے وہ پرسکون نیند

لے کر فریش ہونا چاہتا تھا مگر.....

ایک بے چینی سی تھی' نیند دوبارہ مہربان نہیں ہو رہی تھی' بھاری پردے سرکاتے ہوئے اس نے کھڑکی کھولی تھی' ٹھنڈک کا احساس رگ و پے میں سرائیت کرتا چلا گیا تھا' دور کہیں گرتے آبشار کی مدھم آواز باہر پھیلے سکوت میں کسی موسیقی کی طرح گونج رہی تھی' ہر منظر گہری نیلگوں روشنی میں ڈوبا ہوا تھا' ایک گہرا سانس بھر کر اس نے خنک فضا کو اپنے اندر جذب کیا تھا اور نظر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تھا جگ مگ کرتے ستاروں کے جھرمٹ میں روشن پورے چاند کی روشنی دنگ کر دینے والی تھی' اس جانب دیکھتے ہوئے یکدم ہی وہ ساکت ہوا تھا' اسے کچھ یاد آیا تھا' ایک بھولا بسرا چہرہ۔

کچھ ایسی ہی خیرہ کن چاندنی اس خوابیدہ چہرے کے نقوش پر چھلکی ہوئی تھی' اسے یاد آ رہا تھا۔ چاند کے گرد موجود نور کے ہالے جیسی کوئی چیز اس چہرے کے گرد بھی اسے دکھائی دی تھی' جب پہلی بار وہ چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہوا تھا' یک بیک اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی'

وہ حیران پریشان تھا کہ وہ چہرہ اس وقت اسے کیوں یاد آ گیا ہے.....؟ شہر بدر ہوئے تو اسے کافی دن گزر چکے ہیں' کتنے ہی محبت کرنے والے لوگ اپنے پیچھے چھوڑ کر وہ ہر بار سفر کے لئے نکلتا ہے مگر کبھی اسطرح آدھی رات میں بے چین ہو کر نہ اٹھا تھا اسے اپنے آپ پر شدید غصہ آیا تھا' جب اسے یقین ہونے لگا کہ بے چینی کی وجہ کیا ہے.....؟ وہ دوبارہ پرسکون نیند سونے میں کیوں ناکام ہو رہا ہے.....؟ چاند کے تھال میں ابھرتے مانوس نقوش' اسے اب عجیب سے خوف میں مبتلا کر رہے تھے' دور گرتے بہتے آبشار کا سریلا ساز اسے پیچھے کہیں لے جا رہا تھا' بہت زیادہ نہیں بس چھ ماہ پہلے ہی تو.....

☆☆☆☆☆

لینڈ سلائیڈنگ کی رفتار کے باعث دوسرے سیاحوں کی طرح وہ بھی بری طرح پھنس کر رہ گیا تھا' کوشش کے باوجود وہ اپنے بھائی سے کیا گیا وعدہ نہیں نبھا سکا تھا گھر کے باقی سب افراد کی ناراضگی کی اسے پرواہ نہیں تھی مگر رامش کی شادی میں اس کی غیر حاضری رامش کو پوری سنجیدگی کے ساتھ خفا کر چکی تھی وہ اس کا کوئی ایکسکیوز سننے کیلئے بھی تیار نہ تھا یہ چیز ہوش اڑانے کے لئے کافی تھی' دنیا میں رامش ہی ایک واحد بندہ تھا جس نے اس وقت بھی اس کا ساتھ دیا تھا' جب گھر کے سب ہی افراد اس کے نگر نگر کی خاک چھاننے کے شدید مخالف ہو گئے تھے یہ اور بات تھی کہ اس نے کسی کو قائل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی البتہ رامش یہ کہہ کر سب کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ رمیل حیدر جیسے متلون مزاج بندے کو باندھ رکھنے کی کوشش نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے ور سال میں دو تین بار جو اس کے چہرے کا دید ہو جاتا ہے سب اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں تھا سفر کا جنون اپنی جگہ مگر چ ماہ سے زیادہ وہ اپنے گھر اور گھر والوں سے غا نہیں رہ سکتا تھا' سفر سے واپس آ کر وہ چند ہ رکے یا چند مہینے' مگر گھر کے ہر فرد کو معلوم ہوتا کہ اس نے اچانک ہی دوبارہ کسی نئی مہم پر نکل ہے' سب اس کے مزاج سے واقف تھے اس ذہنی طور پر تیار رہتے تھے' شروعات میں سفر کیلئے نکلتے ہوئے ماں باپ کی ناراضگی اور بڑے بھائیوں کی ڈانٹ پھٹکار کا جو تھوڑا بہت خوف تھا اب وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔

رامش اس سے ایک سال چھوٹا تھا اور ہمیشہ ہی اس سے تعلقات دوستوں جیسے رہے تھے' ایک وہی تھا جس نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی میلوں دور ہونے کے باوجود وہ اگر کسی سے رابطے میں رہتا تھا تو وہ رامش ہی تھا' گھر پہنچتے پہنچتے اسے کافی دن مزید لگ گئے تھے' جس نے رامش کی ناراضگی کو پختہ کر دیا تھا' اتنا کہ اسے سامنے دیکھ کر بھی وہ اسے معاف کرنے پر تیار نہیں ہوا' یہ تو اس نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ رامش کی ناراضگی ختم کرنے کیلئے وہ اس کی بیوی کا ہی سہارا لے گا' رامش کی ڈھٹائی کو دیکھتے ہوئے اسے اپنی سوچ پر عمل بھی کرنا پڑا تھا مگر مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس کی بیوی اپنے میکے گئی ہوئی تھی وہ ہر بار کی طرح اچانک ہی گھر آیا تھا۔

اطلاع دے کر آتا تو یقیناً وہ اسے استقبال کے لئے گھر پر ہی مل جاتی' بہرحال دو دن کے بعد ہی اس نے اپنی ماں سے کہا تھا کہ وہ شاہینہ کو لینے اس کے گھر جانا چاہتا تھا اس لئے اس کے گھر کا ایڈریس وہ اسے دیں' اس کی ماں حیران ہوئی تھیں کہ وہ تو ایک عرصے سے اپنے رشتے داروں کو بھی بھولے بیٹھا ہے مگر شاہینہ کے گھر جانے کی وجہ وہ جانتی تھیں اس لئے بخوشی ایڈریس اسے دے دیا تھا' شاہینہ کی ماں نہ صرف ان کی کزن تھیں بلکہ بچپن کی ساتھی بھی تھیں' وقت کے اتار چڑھاؤ نے بھی اس ساتھ کو توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اب تو شاہینہ کی وجہ سے ان دونوں کا رشتہ اور مضبوط ہو گیا تھا' شاہینہ کی والدہ کو وہ اپنی ماں کی وجہ سے ہی تھوڑا بہت جانتا تھا سالوں پہلے اپنے ہی گھر کی کسی تقریب میں انہیں دیکھا بھی تھا' شاہینہ سے کبھی روبرو ملاقات نہیں ہوئی تھی' لیکن رامش سے شادی کے بعد اس سے فون پر طویل گفتگو ضرور رہی تھی جس کے بعد اسے اندازہ ہوا تھا وہ رامش کیلئے بالکل پرفیکٹ ہے۔

☆☆☆☆☆

یہ اندرون شہر کا ایک علاقہ تھا جس کی تنگ گلیاں عبور کرتے ہوئے اس نے شکر ادا کیا تھا کہ اس نے اپنی ماں کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہاں آنے کے لئے کوئی ذاتی گاڑی استعمال نہیں کی تھی' سیاہ ہینڈ بیگ جو اس کا ٹریڈ مارک تھا اور جسے ہمہ وقت ہی وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے اسے پشت پر لٹکایا تھا اور سامنے جاتی طویل پتلی سی گلی میں نظر دوڑائی تھی جہاں کچھ گھر کے دروازوں کے اوپر نصب زرد بلب روشن تھے وہ دیکھ سکتا تھا پوری گلی میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا' بدبو کے اٹھتے بھبکوں سے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ ابلتے گٹر کی غلاظتیں بھی بارش کے پانی میں بہت اچھی طرح شامل ہو کر اس کے استقبال کیلئے موجود ہیں کسی رحم دل انسان نے ایک بہت اچھا کام یہ کیا تھا کہ گلی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اینٹیں اور بڑے پتھر رکھ دیئے تھے' قدم پہلی اینٹ پر رکھنے سے پہلے اس نے ایک مسکراتی نظر اپنے عقب میں موجود ان بچوں پر ڈالی تھی جو اپنا کھیل چھوڑ کر آنکھوں میں شرارت لیے منتظر تھے کہ وہ کس طرح سامنے پھیلا سمندر عبور کرتا ہے' اس بات سے انجان کہ وہ تو اس سے بھی دشوار اور کڑی مسافتیں طے کرتا آیا ہے' مگر اس کے تذبذب کا باعث وہ خواتین تھیں جو پردوں کی آڑ سے حیرانگی کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں' کیونکہ اس کے لباس اور حرکتوں سے وہ الگ ہی دنیا کا باسی نظر آ رہا تھا' اس کا اعتماد ذرا دیر کے لئے ہی ڈانواڈول ہوا تھا مگر اگلے ہی پل وہ ہر چیز سے بے نیاز سر جھکائے ڈگمگائے بغیر ایک کے بعد ایک اینٹ پھلانگتا چلا گیا تھا۔

اس سے پہلے ہی اس کے آنے کی اطلاع پہنچ چکی تھی' اسے سامنے دیکھ کر شاہینہ کی خوشی قابل دید تھی جبکہ اس کی ماں بھی اتنی محبت کے ساتھ ملی تھیں کہ اس والہانہ استقبال پر وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔

مختصر سا صحن اور برآمدہ عبور کر کے شاہینہ کی تقلید میں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے

ایک دھچکا سا لگا تھا مگر اسے اپنی ماں پر فخر ہوا تھا کہ انہوں نے اس گھر کی بیٹی کو اپنی بہو بنایا تھا۔ کمرے کے حبس زدہ ماحول میں چھت پر چلتے پنکھے کی گڑگڑاتی آواز اس کی ہوا سے بھی زیادہ تھی' صاف ستھری چادر سے ڈھکے تخت پر بیٹھتے ہوئے ایک بار پھر اس کی نظر کمرے میں موجود دوسرے تخت کی جانب اٹھی تھیں جہاں سرخ کمبل میں کوئی وجود مکمل چھپا ہوا تھا۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ میں آپ کو اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں' رامش آپ کا اتنا ذکر کرتے ہیں کہ آپ سے ملنے کا اشتیاق بڑھ گیا تھا''۔ شاہینہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''اور مجھے یقین ہے کہ اس نے میرا ذکر اچھے لفظوں میں بالکل نہیں کیا ہوگا''۔ وہ بولا تھا۔

''ہرگز نہیں وہ آپ کے بارے میں کبھی کچھ غلط نہیں کہہ سکتے بس تھوڑا سا ناراض ہیں مگر فکر مت کریں اب آپ آ گئے ہیں تو زیادہ دیر تک ناراضگی برقرار نہیں رہے گی''۔ وہ ہنستے ہوئے بولی تھی جبکہ وہ کچھ کہتے کہتے رک کر دوبارہ سامنے تخت کی طرف متوجہ ہوا تھا جہاں سرخ کمبل میں ذرا حرکت ہوئی تھی۔

''یہ میری بہن ہے شہر' اس کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے میں یہاں آ گئی تھی''۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے شاہینہ نے بتایا تھا تب ہی کمرے میں ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے کی آمد ہوئی تھی۔

''لیجئے..... شیطان کا ابھی ذکر بھی نہیں ہوا مگر یہ حاضر ہو گیا''۔ شاہینہ نے مسکراتے ہوئے اس لڑکے کو دیکھا تھا جو شرمیلی سی مسکراہٹ کے رمیل سے مصافحہ کر رہا تھا۔

''یہ ہے میرا چھوٹا بھائی شہروز''۔ شاہینہ تعارف کروایا تھا۔

''یہ تو اتنا شرمیلا سا بچہ ہے تم نے خواہ مخواہ شیطان کہہ دیا ہے''۔ شہروز کو اپنے قریب بٹھ ہوئے رمیل نے کہا تھا۔

''جی ہاں' ابھی کچھ دیر میں آپ کو معلو جائے گا کہ یہ کتنا شرمیلا ہے''۔ بولتے ہو شاہینہ رکی تھی۔

''میرا خیال ہے بارش تیز ہو گئی ہے مگر آ ابھی جانے کی بات بالکل مت کیجئے گا''۔ کمر سے باہر نکلتے ہوئے شاہینہ نے اسے وارن کر والے انداز میں کہا تھا۔ پھر بہت زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ برستی بارش نے شدت اختیار کر لی اس کے یہاں آنے کا مقصد تو تقریباً فوت ہو چکا تھا صاف طور پر وہ شاہینہ سے بھی اپنے آ مقصد بیان نہیں کر سکا تھا کہ پہلے ہی اسے اندا ہو گیا تھا کہ فوری طور پر شاہینہ اسکے ساتھ وا نہیں جا سکتی تھی' موسم کے تیور دیکھ کر وہ خود اب رکنا نہیں چاہتا تھا' اسے جانے کیلئے پر تو دیکھ کر شاہینہ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہو اطلاع دی کہ اس کی والدہ تو کھانے کے اہتم میں مصروف ہو چکی ہیں' اس کے بعد کہنے کیلئے نہیں رہ گیا تھا' بھائی کی ناراضگی کے ساتھ وہ ا اس کی بیوی کی بھی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں سکتا تھا' سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ کھانے دوران سب کے سامنے ہی اس کی ماں کی کا

آ گئی تھی مگر تاکید انہوں نے شاہینہ کو ہی کی تھی کہ وہ بارش رکنے سے پہلے رمیل کو گھر سے قدم بھی نہ نکالنے دیں کیونکہ جانتی تھیں کہ ان کی تاکید کا بیٹے پر تو کوئی اثر ہونا نہیں ہے شاہینہ یہ کام بخوبی کر سکتی ہے اور یہ سچ بھی تھا' مجبوراً سب سے باتوں کے دوران وہ دھواں دھار بارش کے رکنے کا انتظار کرتا رہا تھا' جسے نہ رکنا تھا نہ ہی وہ رکی تھی' خطرے کی گھنٹیاں اس وقت بجنے لگیں جب شاہینہ نے رات وہیں رکنے پر اصرار کرنا شروع کر دیا تھا حالانکہ اس بارش میں نکلنا اس کیلئے مشکل نہ تھا مگر اس کے سارے بہانے رد کر دیئے گئے تھے' اسے پچھتاوا ہوا تھا کہ رات کے وقت اور پھر خراب موسم میں اسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

.....☆☆☆☆☆.....

لیپ ٹاپ کھولے وہ ساتھ ساتھ شہروز سے بھی باتوں میں مصروف تھا جو اس کے پاس سے ہٹنے کیلئے بھی تیار نہیں تھا تب ہی شاہینہ کے پکارنے پر وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

"رمیل بھائی! میں اور امی ساتھ والے کمرے میں ہیں وہاں بہت زیادہ جگہ نہیں ہے اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو شہروز کے ساتھ شہیر کو بھی یہیں رہنے دوں.....؟" کچھ شرمندہ لہجے میں وہ بولی تھی۔

"یہ کہہ کر تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو پہلے ہی میں نے تم سب کو پریشان کر دیا ہے"۔ وہ واقعی شرمندہ ہوا تھا۔

"آپ نے بالکل بھی پریشان نہیں کیا ہے بلکہ میں خود شرمندہ ہوں کہ ٹھیک طرح سے آپ کی خاطر مدارات نہ ہو سکی آپ پہلی بار....."

"اب تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہاری ساری دھمکیاں بھلا کر اس بارش میں یہاں سے بھاگ جاؤں"۔

"جی ہاں' آپ تو پہلے ہی بھاگنے کیلئے تیار ہیں مگر سوچ لیں رامش کی آپ سے ناراضگی میں نے ہی دور کرنی ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"شہروز! چلو اب اپنی جگہ پر آ جاؤ کافی رات ہو چکی ہے رمیل بھائی کو سونے دو"۔ شہروز کو ہدایت کرتی وہ تخت پر کمبل میں قید وجود پر جھک گئی تھی جبکہ رمیل نے سرعت سے اس جانب سے نظریں ہٹالی تھیں کہ پردہ رکھنے کے لئے اس گھر میں زیادہ جگہ نہیں تھی اس لئے تخت تک محدود رہتے ہوئے اس نے اپنی نگاہوں کو بھی محدود کر لیا تھا۔

.....☆☆☆☆☆.....

رات کا آخری پہر تھا مگر موسلا دھار بارش کا سلسلہ جاری تھا' نیند تو اسے اب تک نہ آئی تھی' تکیئے پر سر رکھنے سے پہلے اس نے ایک نظر شہروز پر ڈالی تھی جو فرشی بستر پر گہری نیند سویا نظر آیا تھا' آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتے ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ابھرتی ہوئی مدھم آواز پر وہ چونکا تھا' درمیان میں اتنا بھی فاصلہ نہ تھا کہ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر خاموشی کے ساتھ وہ مدھم کراہوں کو سنتا رہا تھا' اسے پیاس لگی تھی اور غنودگی میں وہ کسی کو بھی مخاطب کئے بغیر پانی مانگ رہی تھی دوسری جانب وہ زیادہ دیر تک کان بند نہیں رکھ سکا تھا' اس لئے پہلے ہلکی آواز میں شہروز

کو پکارا تھا' اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیر کو بھی ہلا کر جگانے کی کوشش کی تھی مگر اس کی گہری نیند اس طرح برقرار تھی وہ ٹس سے مس بھی نہ ہوا تھا جبکہ وہ خود عجیب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا نہ وہ وقفے وقفے سے ابھرتی پانی کی پکار کو نظر انداز کر سکتا تھا نہ ہی وہ شاہینہ کو بلا سکتا تھا کہ یہ اسے معیوب لگ رہا تھا' ایک نظر اس نے کمبل میں چھپے وجود کو دیکھا تھا اور پھر تخت کے قریب ہی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھے پانی سے بھرے جگ میں سے گلاس بھرا تھا اور دبے قدموں اس تخت کے قریب پہنچ گیا تھا' ایک پل کو رک کر اس نے کمبل سے باہر تخت سے لٹکتے ہاتھ کو دیکھا تھا اور پھر جھک کر اس ہاتھ کی پشت کو دھیرے سے چھوتے ہوئے اپنے دوسرے ہاتھ میں موجود گلاس کو اس ہاتھ کی ہتھیلی سے لگایا تھا تاکہ وہ اسے تھام لے مگر وہ ہاتھ اسی طرح بے جان رہا تھا البتہ کمبل کے اندر سے پانی کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں' کچھ تذبذب کے ساتھ وہ رکا تھا مگر پھر ہمت کر کے کمبل کو اس کے چہرے سے ہٹایا تھا' زیرو پاور کے بلب کی مدھم روشنی میں عیاں ہوتے ہوئے اس چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن بس ایک پل کیلئے بے ترتیب ہوئی تھی اس نقاہت زدہ بیمار نڈھال چہرے کے نقوش میں ایسا کچھ نہیں تھا جو اس کی سانس یا دھڑکن رک جاتی یا اس کی نظریں اس چہرے پر ساکت ہو جاتیں' خاموشی کے ساتھ رمیل نے اس کے سر کو ذرا اونچا کرتے ہوئے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا تھا' پتا نہیں وہ کتنی پیاسی تھی کہ رکے بغیر ہی پانی کا آخری گھونٹ تک پی گئی تھی دھیرے سے وہ اس کا سر واپس تکیے پر رکھ رہا تھا جب نیم وا آنکھیں رمیل کو دیکھتے ہوئے پھیلتی چلی گئی تھیں سرعت سے رمیل نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا تھا۔

''مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں' سو جاؤ''۔ مدھم آواز میں اسے تاکید کرتا وہ پیچھے ہٹا تھا اور پلٹ کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تھا' غلطی سے بھی دوبارہ اس جانب نہیں دیکھا تھا' جہاں وہ سانس روکے اس کی پشت کو ہی دیکھ رہی تھی۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی اس نے شکر ادا کیا تھا' شاہینہ بھی شاید اس کی وجہ سے جلدی بیدار ہو گئی تھی' ناشتے کیلئے رکنے کے اصرار پر معذرت کرتے ہوئے اس نے بس شاہینہ سے ایک کپ چائے کی فرمائش کی تھی اور اس کے بعد وہ مزید نہیں رک سکا تھا۔

☆☆☆☆☆

''تم نے کیا پڑھ کر پھونکا تھا اس پر وہ خود ہی آ کر میرے گلے سے لگ گیا تھا.....؟'' چائے کا کپ شاہینہ سے لیتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''یقین کریں کچھ پڑھ کر نہیں پھونکا البتہ تھوڑا سا شرمندہ ضرور کیا تھا فون پر''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ شور کی آواز کہاں سے آ رہی ہے.....؟'' کچھ چونکتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''اوپر چھت پر پورا ٹیوشن سینٹر کھلا ہوا ہے' وہیں سے آوازیں آ رہی ہیں''۔ وہ بتا رہی تھی۔

''واقعی.....؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''جی ہاں..... شہر کو جنون ہے کہ محلے کے ہر

ے ہاتھ میں کتاب اور قلم ہو اور یہاں کے
سے تو آپ واقف ہو چکے ہوں گے' غربت
ے ماں باپ اپنے بچوں کو پڑھانے کے
کسی نہ کسی کام پر لگا دیتے ہیں تاکہ دال دلیہ
ہے ویسے بھی تعلیم اس قدر مہنگی ہو چکی ہے کہ
بچوں کو کسی تعلیمی ادارے میں بھیجنے سے بہتر
ہیں کہ ان کا بچہ کوئی ہنر ہی سیکھ لے''۔ شاہینہ
میل سے بتایا تھا۔

''تو پھر وہ بچے یہاں پڑھنے کیلئے کس طرح
.....؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''شہپر کی سرتوڑ کوششوں کی وجہ سے' گھروں
جا کر اس نے بچوں کے ماں باپ کو کنوینس کیا
۔ وہ بے شک بچوں کو ان کے کاموں سے نہ
یں مگر ان کو تعلیم سے محروم نہ رکھیں' میں نے تو
سمجھایا تھا اسے کہ وہ لوگوں کے ذاتی
لات میں مداخلت نہ کرے اور پھر حاصل
ل بھی کچھ نہیں ہے' ایک کوچنگ سینٹر میں وہ
ماتی ہے وہاں سے جو روپے حاصل ہوتے ہیں
ں وہ اپنی اسٹڈیز پر اور ان بچوں پر خرچ کرتی
قلم سے لے کر کتاب تک وہ بچوں کیلئے خود
ید کرلاتی ہے''۔

''میں تو واقعی متاثر ہو رہا ہوں' کیا میں اوپر جا
دیکھ سکتا ہوں.....؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''بالکل ضرور جائیے''۔ شاہینہ نے مسکراتے
ے کہا تھا' سیمنٹ کی تنگ سیڑھیاں طے کرتا وہ
پر آیا تھا اور ایک نظر چھت پر ڈالی تھی جو کہ بہت
یادہ وسیع نہیں تھی مگر ان بچوں کی تعداد کافی تھی' جو
ی پر ترتیب سے بیٹھے ہوئے تھے' سامنے ہی دیوار
کے ساتھ لگے بلیک بورڈ پر کچھ لکھتے ہوئے وہ بچوں
کو کچھ سمجھا رہی تھی مگر رمیل پر نظر پڑتے ہی نہ صرف
وہ رکی تھی بلکہ اس کے ساتھ اس اوپن کلاس میں بھی
خاموشی چھا گئی تھی سب کی نظریں خود پر محسوس
کرتے ہوئے وہ اس طرح خجل ہوتے ہوئے
شرمندہ ہوا تھا۔

''گڈ ایوننگ سر''۔ شہپر کے اشارے پر بچوں
نے کورس میں کہا تھا۔

''گڈ ایوننگ' اسلام علیکم''۔ ہلکی سی مسکراہٹ
کے ساتھ اس نے بچوں کو اور پھر اسے دیکھا تھا'
جس نے سب کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا
تھا اور پھر بورڈ پر لکھے جملے بچوں کو کاپی کرنے کی
ہدایت کرتی اس کی سمت بڑھ آئی تھی۔

''آپ کب آئے.....؟'' کچھ جھجکتے ہوئے وہ
پوچھ رہی تھی۔

''کچھ دیر ہو گئی ہے' شاہینہ سے مجھے آپ کے
اس سوشل ورک کے بارے میں معلوم ہوا تو
دیکھنے چلا آیا''۔ جواب دیتے ہوئے اس نے
شہپر کو بغور دیکھا۔

''پتا نہیں کس طرح آپ یہ معرکہ سر کر رہی ہیں
میرا مطلب ہے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے جیسا کہ
شاہینہ نے مجھے بتایا ہے''۔ بچوں کی کثیر تعداد پر نظر
ڈالتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''نیت اچھی اور حوصلہ بلند ہو تو آسانیاں اللہ کی
طرف سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں' شروعات میں
کچھ مشکل ہوئی تھی' ان سب بچوں کو تعلیم کی طرف
راغب کرنے کیلئے مجھے ان کے ماں باپ کے
تعاون کی ضرورت تھی انہیں اس چیز کیلئے راضی کرنا

ایک کٹھن مرحلہ تھا مگر کسی نہ کسی طرح میں ان سے دو گھنٹے مانگنے میں کامیاب ہوگئی"۔ وہ اب بغیر کسی جھجک کے تفصیلاً بولی تھی۔

"آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی.....؟" بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"اگر آپ نے کبھی بغور ان معصوم بچوں کو سڑکوں پر فیکٹریوں میں ورکشاپ میں گھنٹوں محنت مشقت کرتے دیکھا ہوتا' ذرا سی غلطی پر ان کو بے دردی سے مار کھاتے دیکھا ہوتا' کھیلنے پڑھنے کی عمر میں ان کے ہاتھوں میں اوزار دیکھے ہوتے تو کبھی آپ مجھ سے یہ سوال نہ کرتے"۔ اس کے ہلکے سے تلخ لہجے پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"میں نے آپ کا سفر نامہ پڑھا تھا رامش بھائی نے دیا تھا"۔ وہ یکدم ہی بولی تھی۔

"پسند آیا وہ آپ کو.....؟" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"بہت اچھا لگا مجھے اور اب دوسرے سفر نامے کا انتظار ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"ویسے آپ نے جو علم کی شمعیں روشن کرنے کا سفر اختیار کیا ہے وہ زیادہ متاثر کن اور قابل تعریف ہے مگر لگتا ہے آپ تنہا ہی اس سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں"۔ وہ بولا تھا۔

"آپ بھی تو تنہا ہی سفر کیلئے نکلتے ہیں"۔ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئی بولی تھی۔

"ہاں' مگر میرے اور آپ کے سفر میں زمین آسمان کا فرق ہے میرا سفر صرف میرے لیے اور میری تسکین کیلئے ہوتا ہے جبکہ آپ کا سفر خدا کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کے فائدے کا ہے"۔ وہ بولا تھا۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں مگر ایسا نہیں کہ میں نے اپنے ساتھ اس کار خیر میں کسی کو ساتھ لینے کی کوشش نہیں کی' لیکن زندگی اتنی مصروف ہے کہ لوگوں کے لئے اس کام کے لئے وقت نکالنا ہی مشکل ہے"۔

"مگر میرا خیال ہے کہ جذبہ اگر آپ جیسا ہو تو وقت نکالنا مشکل نہیں ہوگا لیکن یہ بھی سچ ہے مجھ سمیت ایسے بہت سے لوگ ہیں جو صرف باتیں کرنا جانتے ہیں اور جب عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو سب پیچھے ہٹ جاتے ہیں مگر پھر بھی میں کہنا چاہوں گا کہ اگر ان بچوں کی فلاح کے لئے میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں تو یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہوگی"۔

"بہت شکریہ' مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت ہوئی تو ضرور آپ سے کہوں گی اس یقین کے ساتھ کہ آپ میری مدد کریں گے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ کے اسٹوڈنٹس بے چین ہو رہے ہیں میں کافی ڈسٹرب کر چکا ہوں اس لئے اب مجھے چاہئے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا' اور الوداعی نظر ان بچوں پر ڈالتا واپس پلٹ گیا تھا۔

.....☆☆☆☆☆.....

رمیل کے سب سے بڑے بھائی کی بیٹی انگیجمنٹ کی تقریب تھی اس کی ماں طبیعت کی خرابی کے باعث شرکت نہیں کرسکی تھیں مگر وہ رامش کے ہمراہ آگئی تھی کافی دیر سے وہ رمیل کے متوجہ ہو۔

کی منتظر رہی تھی مگر وہ کیمرہ ہاتھ میں لیے انتہائی مصروف و مگن نظر آ رہا تھا' اس وقت وہ شاہینہ کے ساتھ ہی اس کی ساس کے پاس موجود تھی جب رمیل کی آمد ہوئی تھی۔

''آپ دونوں خواتین کے خوبصورت چہرے فوکس کرنے کیلئے میرا کیمرہ ترس رہا ہے' اب جلدی آ جائیں''۔ کافی عجلت میں اپنی ماں اور شاہینہ سے مخاطب ہوتے ہوئے شاید اس نے شہر کو دیکھا بھی نہیں تھا جس کے چہرے سے یک لخت ہی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی شاہینہ نے اسے بھی ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر وہ فوراً ہی انکار کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئی تھی' وسیع سبزے پر چلتے پھرتے چمکتے چہروں کی رونق دیکھتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہونے لگی تھی کہ کیا اسے رمیل سے مدد مانگنی چاہئے جس کی ضرورت اسے تھی کچھ چونک کر اس نے دائیں جانب دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بغیر سوچے سمجھے اسے پکار گئی تھی جو کسی اور سمت جا رہا تھا مگر رک کر اب اس کی سمت آ گیا تھا۔

''اگر آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا''۔ کچھ تذبذب کے ساتھ وہ بولی تھی۔

''مجھ سے.....؟'' حیرانگی کے ساتھ رمیل نے اسے دیکھا تھا جو کچھ شرمندہ ہوئی تھی۔

''ارے ہاں' وہ آپ کا مشن کیسا جا رہا ہے.....؟'' یکدم ہی یاد آنے پر وہ پوچھ رہا تھا۔

''بہت اچھا..... دراصل مجھے اسی سلسلے میں آپ سے ابھی بات کرنی تھی ایک مسئلہ ہے اگر آپ.....'' بولتے ہوئے وہ یکدم رک کر رمیل کے ساتھ ہی اس جانب متوجہ ہوئی تھی جہاں سے اسے پکارا جا رہا تھا۔

''سوری مگر میں ابھی واپس آ رہا ہوں بس دو منٹ آپ یہیں رکیں''۔ معذرت کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ چکا تھا' خاموشی کے ساتھ وہ اب پھر اردگرد کا جائزہ لینے لگی تھی' شاہینہ بھی شاید مہمانوں میں مصروف تھی' دو منٹ ختم ہونے کا انتظار کرتے کرتے آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ وقت گزر چکا تھا' سپاٹ نظروں سے وہ دور اسے دیکھ رہی تھی جو ایک کے بعد ایک کسی نہ کسی فرد سے مصروف گفتگو تھا' بلیک جینز اور رائل بلیو شرٹ میں ملبوس اس سرو قد انسان کی شخصیت میں شاید کوئی مقناطیسی کشش موجود تھی جو اس محفل میں وہ ہر شخص کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا' مستقل خود پر جمی نظروں کی تپش کا ہی اثر تھا کہ درمیان میں کافی فاصلہ ہونے کے باوجود وہ اس کی جانب متوجہ تھا جہاں وہ اسے رکنے کی تاکید کر کے آیا تھا' اپنی ریسٹ واچ میں وقت دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ اسے دیکھنے لگی تھی جو لوگوں سے بچتا ہوا تیز قدموں کے ساتھ اسی جانب آ رہا تھا۔

''آپ! یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہیں شاہینہ کہاں ہے.....؟'' نزدیک آتے ہی وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''میں یہاں اس لئے کھڑی ہوں کہ مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے''۔ اس کے سپاٹ لہجے پر وہ چونکا تھا۔

''سوری..... میں نے آپ کو یہاں رکنے کے لئے کہا تھا مگر.....''

"نہیں کسی معذرت کی زحمت نہ کریں میں نے کہا ناں کہ مجھے یہاں بے وقوفوں کی طرح کھڑے رہنا اچھا لگ رہا ہے"۔ اس کی بات کاٹ کر وہ اسی سپاٹ مگر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"آپ! مذاق کر رہی ہیں"۔ وہ حیران نظروں سے اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"غلط فہمی آپ کی' آسمان اور زمین کے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں بن سکا ہے مذاق کا بھی نہیں"۔ وہ بے ساختہ ہی بولی تھی۔

"میں تو بہت معمولی انسان ہوں آپ کیوں مجھے آسمان پر پہنچا رہی ہیں"۔ وہ بمشکل مسکراہٹ چھپائے بولا تھا۔

"خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں آسمان تک آپ پہنچ بھی نہیں سکتے جس زمین پر ہیں اسی سے بندھے رہیں اتنا کافی ہے"۔ نخوت کے ساتھ وہ بولی تھی اور اگلے ہی پل اس کے سامنے سے ہٹ کر آگے بڑھتی چلی گئی تھی جبکہ وہ دنگ نظروں سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا اور وہ محفل کو الوداع کہتی رامش کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی۔

.....☆☆☆☆☆.....

چھت پر سیڑھیوں کے پاس ہی رکا وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو قریب موجود بچے کی کتاب اس کے حوالے کرتی اب نزدیک آ رہی تھی۔

"امی نیچے ہی موجود ہیں"۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے سلام کرتے ہوئے وہ جیسے اطلاع دے رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں لیکن مجھے تم سے بات کرنی ہے"۔ وہ بولا تھا۔

"مجھے ان بچوں کو پڑھانے میں ابھی کافی وقت لگے گا اس لیے میں آپ سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ دو منٹ رکیں میں ابھی واپس آتی ہوں' مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں صاف طور پر یہ کہہ سکوں کہ میرے پاس آپ کی بات سننے کیلئے وقت بالکل نہیں ہے"۔ اس کے چبھتے ہوئے لہجے پر رمیل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"میں اپنی غلطی مانتا ہوں' ایکسکیوز اس لئے کوئی نہیں دوں گا کہ تم اسے قبول نہیں کرو گی' میں بس یہ جاننے آیا تھا کہ تم مجھ سے کسی اہم مسئلے پر بات کرنا چاہتی تھیں"۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا تھا۔

"رہنے دیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو صرف باتیں کرنا ہی جانتے ہیں"۔ وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

"مگر پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں اس کے بعد جو ممکن ہوا کروں گا اور یہ صرف اس لئے نہیں ہوگا کہ میں تم سے کہہ چکا تھا کہ مدد کروں گا"۔ وہ سنجیدہ نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا تھا' دوسری جانب وہ چند لمحوں کے لیے رکی تھی مگر پھر کہا تھا۔

"میرے پاس کچھ بچیاں آئی تھیں میٹرک کی اسٹوڈنٹس ہیں کوچنگ وغیرہ افورڈ نہیں کر سکتیں مگر میرے اپنے پیپرز شروع ہونے والے ہیں اور پھر ان بچوں کو بھی وقت دینا ہوتا ہے اس لئے میں چاہ رہی تھی کہ آپ کچھ وقت نکال کر یہاں آ کر ان بچیوں کو ایک دو سبجیکٹ پڑھا دیں زیادہ نہیں بس دو تین ماہ کی بات ہے

ن کے پیپرز شروع ہونے تک کچھ تیاری
وجائے گی"۔ وہ مسئلہ بتا رہی تھی جسے سننے کے
عدد وہ سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

"آپ پوچھ رہے تھے تو میں نے بتا دیا
یسے میں جانتی ہوں آپ اپنے نئے سفر پر جانے
کی تیاریاں کر رہے ہیں"۔ اس کی خاموشی پر وہ
ولی تھی۔

"شہپر! معذرت کے ساتھ میں اس طرح تو
ردنہیں کر سکتا جیسا آپ چاہ رہی ہیں مگر ان بچوں
کے لیے اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ کوئی اچھا کوچنگ
ونائن کر لیں میں فنانشلی انہیں سپورٹ کر سکتا
ہوں"۔ وہ کچھ شرمندگی کے ساتھ آفر کر رہا تھا۔

"بہت شکریہ' مگر آپ کی مدد کا یہ طریقہ کسی کی
خود داری کو ٹھیس بھی پہنچا سکتا ہے' ان بچوں کو
ہمارے روپوں سے زیادہ ہمارے وقت اور توجہ کی
ضرورت ہے' بہر حال ہر سچائی سے زیادہ اہم وہ سفر
ہے جس پر آپ جا رہے ہیں' دنیا کی خوبصورتی کا
مقابلہ شاید مفلس زدہ مخلوق سے ہی نظر بچالی جائے
جس سے یہ دنیا اور اس کی خوبصورتی قائم ہے"۔
سپاٹ لہجے میں بول کر وہ واپس ان بچوں کی سمت
بڑھ گئی تھی جبکہ رمیل حیدر بھی خاموشی کے ساتھ
سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

شفاف جھیل کے کانچ جیسے پانی میں نیلے
آسمان کا عکس نمایاں تھا جس کے کنارے موجود وہ
برف پوش' پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا' سورج کی ہلکی
ہلکی کرنیں سفید چوٹیوں سے ٹکرا کر سانس روک
دینے والا منظر پیش کر رہی تھیں مگر اب یہ سب کچھ
جیسے بے معنی سا ہو کر رہ گیا تھا' گزری رات اس پر
ایک قیامت خیز انکشاف کر گئی تھی' جس کے بعد
اس کا اضطراب بڑھتا ہی چلا گیا تھا' بے خبری میں
وہ اچانک جس حادثے کا شکار ہوا تھا' اس نے
دل کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی بقیہ رات اس نے کس
طرح گزاری وہ نہیں جانتا تھا' تنہائی کسی عفریت
کی طرح اسے دبوچ کر آزاد کرنے کے لئے تیار
نہیں تھی' اندر باہر ہر سمت ایک دھند چھا گئی تھی' پتا
نہیں کس طرح اس نے صبح ہونے کا انتظار کیا تھا
ورنہ وہ تو رات میں ہی سب کچھ چھوڑ کر بھاگ
جانا چاہتا تھا' کتنے سال اس نے ان پہاڑوں
وادیوں کے اسرار جاننے میں گزار دیے تھے اور
اب اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے اسے حیرانی نہیں
ہوئی تھی کہ وہ خالی کے خالی تھے' ایک جگنو بھی وہ
اپنے ہاتھ میں قید نہیں کر سکا تھا' صبح کی بکھرتی
سنہری کرنوں کے ساتھ ہی وہ اس خوبصورت
جذبے کے آگے سر جھکا چکا تھا جس کے آگے دنیا
کی ہر دلکشی ماند تھی' پہلی بار سفر ادھورا چھوڑ کر
واپس جاتے ہوئے اس کے اعصاب پر کوئی بوجھ
نہیں تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ دل کی بے کلی شدت
کے ساتھ اپنی جگہ قائم تھی۔

زندگی کچھ نہیں
احساس محبت کے بغیر
جیسے ہو کوئی خلا
جیسے جنگل کی ہوا
کس نے پہچانا اسے
دیکھتا کوئی نہیں ہے اس کو
چاہتا کوئی نہیں ہے اس کو

تری قربت میں
یہی راز کھلا ہے مجھ پر
آدمی خاک ہے چاہت کے بغیر
زندگی کچھ نہیں احساس محبت کے بغیر

.....☆☆☆☆☆.....

اس کی اچانک غیر متوقع آمد نے سب کو مسرت آمیز حیرانگی میں مبتلا کر ڈالا تھا' سب سے ملتے ہوئے اس کی نظریں مستقل شاہینہ کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دی تھی موقع ملتے ہی اس نے اپنی ماں سے شاہینہ کے بارے میں پوچھا تھا۔

''اس کی بہن کی شادی طے ہوگئی ہے اسی کی تیاریوں کے سلسلے میں گھر گئی ہوئی ہے''۔ ان کی اطلاع پر وہ بس ساکت نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ کل تک آجائے گی بلکہ تم ہی اسے لینے چلے جانا اور.....'' یکدم ہی رک کر انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جس کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے اگلے ہی پل وہ بہت خاموشی کے ساتھ ان کے سامنے سے اٹھ گیا تھا' اور وہ جو دنگ بیٹھی تھی اس کی اچانک بدلتی کیفیت پر رہ نہ سکیں تو خود بھی اس کے پیچھے آ گئی تھیں۔

''رمیل! کیا ہوا ہے تم ایسے کیوں.....؟'' پریشان ہو کر وہ اس کے قریب آئی تھیں جو گم صم بیٹھا تھا لیکن اس وقت ان کی آواز گھٹ گئی تھی جب وہ بتیس سال کا بھرپور مرد ان کی گود میں چہرہ چھپائے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

''رمیل! تمہیں کس بات سے تکلیف پہنچی ہے بتاؤ مجھے.....؟ تم کبھی اس طرح نہیں روئے ہو'' ان کا کلیجہ پھٹنے لگا تھا۔

''کسی بات سے تکلیف نہیں پہنچی' اب کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچا سکتی' مجھے آپ سب کی بہت یاد آ رہی تھی' میں بالکل تنہا ہو گیا تھا''۔ ان کی گود میں سر رکھے وہ بھاری آواز میں بولا تھا اور کچھ تھا ہی نہیں اس کے پاس کہنے کیلئے۔

.....☆☆☆☆☆.....

آج خلاف توقع اس نے بچوں کو وقت سے پہلے چھٹی دے دی تھی' شاید آج وہ کچھ وقت تنہا اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھی شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے جب گھر کی لائٹس روشن کرنے کے ارادے سے سیڑھیوں کی سمت بڑھی تھی اور کچھ چونک کر نیچے دروازے کی سمت نظر ڈالی تھی۔ شدید بے یقین نظروں سے وہ اس شخص کو ہی دیکھ رہی تھی جس کی نظریں اوپر اٹھی تھیں' اگلے ہی پل سرعت سے سیڑھیاں طے کرتا وہ اس کے مقابل آ رکا تھا جو اپنی جگہ ساکت تھی۔

''تمہاری شادی طے ہوگئی.....؟'' وہ بمشکل ہی یہ پوچھ سکا تھا جبکہ شہر نے دنگ نظروں سے اس کے دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا تھا' جس کی آنکھوں میں پھیلی نارسائی اور مایوسی کی دھند نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو روک دیا تھا۔

''آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' شادی میری نہیں میری تایا زاد بہن کی طے ہوئی ہے' تایا ابو کا گھر ساتھ ہی میں ہے امی اور شاہینہ باجی وہیں ہیں' میں انہیں بلاتی ہوں''۔ اس کی مدھم آواز پر وہ کسی بوجھ سے آزاد ہوتے ہوئے

بس ساکت نظروں سے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو یہ لگا تھا کہ میری شادی ہو رہی ہے.....؟" وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتی سوال کر رہی تھی جواباً ایک پرسکون سانس لیتے ہوئے رمیل نے اس کے چہرے سے نظر ہٹالی تھی۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی تھی.....؟" اس نے مزید پوچھا تھا۔

"نہیں....." اس بار فوراً ہی جواب آیا تھا' جس پر وہ بس اس کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر چپ رہی تھی۔

"اس بار میں اپنا سفر ادھورا چھوڑ آیا ہوں"۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ اس سفر سے زیادہ پرکشش سفر وہ ہے جس پر تم گامزن ہو' کیا اپنے سفر میں' تم میرا ساتھ قبول کرو گی.....؟" یکدم ہی براہ راست اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"مجھے اڑتے پنچھی قید کرنا نہیں آتے"۔ نظر چراتے ہوئے وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔

"اور اگر پنچھی اڑنا چھوڑ کر خود قید میں آنا چاہیں تو.....؟" اس کے سنجیدہ لہجے پر شہپر نے نظر اٹھائی تھی۔

"اب تک جو سفر آپ کرتے رہے ہیں وہ ایک معینہ مدت تک محدود تھے اور میرا سفر عمر بھر کا ہے آپ تھک بھی سکتے ہیں"۔ وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"تمہارے اندیشے دور کرنے کے لیے میرے پاس لفظوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ اس نئے سفر میں تم مجھے آخری سانس تک ہم قدم پاؤ گی"۔ اس کے گہرے لہجے پر شہپر نے اسے دیکھا تھا اور پھر اپنے ہاتھ کی بند مٹھی اس کے سامنے کھول دی تھی' رمیل نے حیران نظروں سے اس کی ہتھیلی پر رکھے چند سفید پھولوں کو دیکھا تھا۔

"آنے والا نیا سال آپ کو مبارک ہو"۔ وہ بولی تھی جس پر رمیل نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے نرم ہتھیلی کی نمی میں بھیگی نازک پتیوں کو پوروں سے سمیٹ لیا تھا۔

"نیا سال شروع ہونے میں ابھی کچھ گھنٹے ہیں مگر اسے وش کرنے کا اس سے زیادہ حسین لمحہ اور انداز کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا"۔ ارد گرد پھیلتی بھیگی پنکھڑیوں کی مہک کو محسوس کرتے ہوئے وہ بولا تھا اور ایک طرف ہٹتے ہوئے اسے جانے کا راستہ دے دیا تھا۔

"شہپر!" اس کی مدھم پکار پر وہ اس کے سامنے ہی رکی تھی۔

"شکریہ....." مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"اور تمہیں بھی مبارک ہو نیا سال بھی اور اس کے ساتھ شروع ہونے والا ہمارا سفر بھی"۔ اس کے کہنے پر شہپر نے محبوب سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا جسے دیکھتے ہوئے اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس جذباتی سے شخص کے ساتھ منزل تک پہنچنا کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگا۔

.....☆☆☆☆☆.....